چودھری محمد اسماعیل

سُود

قرآن پاک میں آمنوا کے ساتھ عملوا الصلحت اور اقیموا الصلوۃ کے ساتھ اتوالزکوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے دیگر احکام معاشی مسئلہ کی اہمیت کو روز روشن کی طرح واضح کرتے ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے تو ہر انسان کی معاشی جدوجہد اظہر من الشمس ہے۔ کسان ہل جوت رہے ہیں، کارخانوں میں کاریگر اور مزدور مختلف اشیاء کی تیاری میں مشغول ہیں۔ دفتروں میں منشی اہلکار، آفیسر اور دیگر لوگ اس قدر لکھا پڑھی کر رہے ہیں کہ کاغذوں کی رسد پوری نہیں ہوتی۔ بازار کی طرف نگاہ کرو تو تاجر دوکانیں سجائے بیٹھے ہیں اور خرید و فروخت کی چہل پہل ہو رہی ہے۔ بسیں، ریلیں، جہاز دن رات سفر کر رہے ہیں۔ غرضیکہ جدھر دیکھو ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے زبردست کشمکش جاری ہے۔ اسی معاشی جدوجہد کے دوران میں مفاد کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو فساد برپا ہو جاتا ہے۔ جو اکثر اوقات بڑی بڑی جنگوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ناساز گار حالات اور ناموافق موسموں میں معاشی سوال حل کرنے کی کوشش میں اکثر لوگ بیمار ہو جاتے ہیں۔ معمولی تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر بیماریوں، بیشتر جھگڑوں اور فسادات کا باعث معاشی سوال ہی ہے۔ دنیا میں ملکوں کی سیاسی حدود، حکومتیں اور حکومتوں کے فوجی اور سول کاروبار وغیرہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ سب کچھ معاشیات کے گرد ہی چکر لگا رہا ہے۔ اور دنیا کی کوئی تحریک ایسی نہیں جس کی تہ میں معاشی مسئلہ کارفرما نہ ہو۔

آج عالم اسلام اور خصوصیت سے پاکستان کے مسلمان اس بات کے متمنی ہیں کہ دنیا میں اسلامی نظامِ معاشیات نافذ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نہایت ہی مبارک خیال ہے کیونکہ دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اس سوال کو خوش اسلوبی سے حل کر سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ایسا نظام اس وقت دنیا میں عملاً کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ اندریں حالات اس بات

فرانس مغربی افریقہ پر ساٹھ سال قابض رہا۔ اس کے بعد حکومت فرانس نے آزادی کی بڑھتی ہوئی تحریک کے پیش نظر اس خطہ سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ ستمبر ۱۹۵۸ء میں گنی کو آزادی مل گئی۔ اس کے پہلے صدر شیخ توری (SEKU TOURE) ہیں جو امام صمدیعنی سموری کی اولاد میں ہیں۔ جون ۱۹۶۰ء میں سینیگال اور فرانسیسی سوڈان آزاد ہو گیا۔ سوڈان نے اپنا نام بدل کر قدیم سلطنت کے نام پر مالی کر دیا۔ مالی کے صدر مودیبو کیتا (MODIBO KEITA) ہیں۔ وہ سوڈان کے رہنے والے ہیں اور بمبارا قبیلے کے کیتا خاندان سے ہیں۔ یہ وہی خاندان ہے جس سے مالی کے مشہور حکمران ماری جاطہ اور منسا موسیٰ کا تعلق تھا۔ مودیبو کیتا مسلمان ہیں۔ سینیگال کے صدر مسٹر سنگھر عیسائی ہیں لیکن وہاں کے وزیر اعظم محمد ضیار (MAMADU DIA) مسلمان ہیں۔

اگست ۱۹۶۰ء میں فرانسیسی مغربی افریقہ اور استوائی افریقہ کے سب علاقے آزاد ہو گئے۔ صرف موریطانیا کو نومبر میں آزادی ملی۔ موریطانیا کی اکثریت بربر باشندوں پر مشتمل ہے۔ مغربی افریقہ کی یہ واحد مملکت ہے جس نے خود کو ایک اسلامی جمہوریہ قرار دیا ہے۔ یہاں کے وزیر اعظم کا نام محمد مختار ہے

مغربی افریقہ کی نو آزاد مملکتوں میں سے حسب ذیل میں مسلمانوں کی اکثریت ہے:

موریطانیا	۹۹ فی صدی	گنی	۷۰ فیصدی
نائجر	۸۵ فی صدی	مالی	۶۳ فی صدی
سینیگال	۷۹ فی صدی	چاڈ	۶۲ فی صدی

مسلمانوں کے سیاسی افکار

مصنفہ پروفیسر رشید احمد

سیاسی نظریہ سازی کی تاریخ میں مسلمان مفکروں اور مدبروں کے نظریات کی خاص اہمیت ہے لیکن ان کے نظریات کو ایک جگہ جمع کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے ۔۔۔۔ اس کتاب میں مختلف زمانوں اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے بارہ مفکروں کے نظریات پیش کیے گئے ہیں اور کتاب کے شروع میں قرآنی نظریہ مملکت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جس کو تمام مفکرین نے اپنے نظریات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ قیمت ۵ روپے ۷۵

ملنے کا پتہ: سیکرٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ
لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ○ وَإِنْ كَانَ
ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ
تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○
وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ (البقرہ: ۳۸)

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلفقراءِ والمسٰكينِ
وَالعَامِلِينَ عليها وَالمؤلفة قلوبُهُمْ
وَفِي الرِّقَابِ والغارمين وفي سبيلِ اللّٰهِ
وابن السبيل -

(التوبہ ۸)

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا -

(التوبہ ۱۳)

اسے چھوڑ دو جب تم مومن ہو ۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے لیے خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر مقروض تنگدست ہو تو فراخی تک مہلت دینا چاہیے ۔ اور اگر تم خیرات کر دو تو تمہارے لیے بہتر ہے ۔ اگر تم جانو ۔ اور اس دن سے اپنا بچاؤ کر لو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔ پھر ہر شخص کو جو اس نے کمایا پورا دیا جائے گا. اور انہیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا (البقرہ ۔ ۳۸)

صدقات تو دراصل فقرا اور مساکین کے لیے ہیں اور ان کارکنوں کے لیے جو صدقات کی تحصیل پر مقرر ہوں اور ان لوگوں کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو ۔ اور لوگوں کی گردنیں بندا سیری سے چھڑانے کے لیے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے کے لیے اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے اور مسافروں کے لیے (التوبہ ۸)

ان کے مال میں سے زکوٰۃ لے اور اس کے ذریعہ سے ان کو پاک اور طاہر کر دے (التوبہ ۱۳)

یہ آیات بالکل واضح ہیں ۔ ان میں کوئی ابہام دکھائی نہیں دیتا ۔ مطلب بالکل صاف ہے ۔ ان کی تشریح اور تفسیر کے لیے کسی مفسر کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ یہ آپ ہی اپنی تفسیر ہیں ۔ نظام معاشیات سے متعلق ان میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں ۔ اول سود ۔ دوم زکوٰۃ ۔ سود کو حرام کیا گیا ہے ۔ اور سود خوری سے سختی سے منع کیا گیا ہے ۔ سود کی مذمت کی گئی ہے اور اس کی خرابیاں بیان کی گئی ہیں ۔ سود خوری کو ایمانداری کے خلاف ٹھیرایا گیا ہے اور خدا اور رسولؐ کے ساتھ جنگ کے مترادف قرار دیا گیا ہے ۔ اس کے برعکس زکوٰۃ کی تعریف کی گئی ہے ۔ اور اس کی ادائگی کو فرض قرار دیا گیا ہے ۔ زکوٰۃ خرچ کرنے کے لیے مدات مقرر کی گئی ہیں ۔ اور وعدہ کیا گیا ہے کہ اس نظام میں

کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ قرآن حکیم سے اسلامی نظام معاشیات کا خاکہ معلوم کیا جائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے راستے تلاش کیے جائیں۔ اس کے ساتھ یہ امر بھی لازمی ہے کہ مروجہ نظام معاشیات کا بغور تجزیہ اور مطالعہ کر کے دیکھا جائے کہ اس میں کون سے اصول کارفرما ہیں۔ اور یہ کس طرح چل رہا ہے۔ تاکہ اسلامی نظام اور مروجہ نظام کا موازنہ اور مقابلہ کر کے مروجہ نظام کی جگہ اسلامی نظام کے قیام کی تدابیر سوچی جا سکیں۔

اسلامی نظام معاشیات کے بنیادی اصول

قرآن حکیم نے جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں متقیوں کے لیے ہدایت ہے، نظام معاشیات کے بنیادی اصول واضح طور پر بیان کر دیے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا
يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ
جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ
مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ
فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا
بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ
تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر اس طرح جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت بھی سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ سو جس کے پاس اپنے رب سے نصیحت آ گئی پھر وہ رک گیا تو اس کے لیے جو گزر چکا۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو پھر لینے لگے پس وہی آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑیں گے۔ اللہ سود کو بے برکت کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکر گزار گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کو کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور جو کچھ سود سے باقی رہ گیا ہے

اگر ہم ماہرین معاشیات کی یہ بات تسلیم کرلیں کہ آج کل کا مروجہ سود وہ نہیں جس کو اللہ تعالےٰ نے حرام قرار دیا ہے اور علما کا یہ قول صحیح سمجھ لیں کہ صنعت و تجارت کے منافع، زمین، مکانات اور دیگر اشیاء کے کرایہ وغیرہ میں سود کا کوئی عنصر نہیں ہوتا تو پھر مروجہ نظام غیر سودی یعنی ایک پہلو سے اسلامی ہو جاتا ہے۔ اور اگر ماہرین معاشیات کی یہ بات مان لیں کہ صنعت و تجارت کے منافع اور زمین و مکانات وغیرہ کے کرایہ میں سود کا عنصر ہوتا ہے اور علما کا یہ قول صحیح تسلیم کرلیں کہ مروجہ نظام میں بنکوں وغیرہ کا سود حرام ہے تو پھر مروجہ نظام سودی بن جاتا ہے جس کے غیر اسلامی ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن یہ امر محال ہے کہ مروجہ نظام بیک وقت سودی بھی ہو، اور غیر سودی بھی یعنی اسلامی بھی اور غیر اسلامی بھی۔ لہذا یہ بات لازم آتی ہے کہ دونوں گروہوں کے متضاد خیالات کے پیش نظر تحقیق کی جائے۔

دو سوال

مذکورۂ بالا مسئلہ کی تحقیقات کے لیے دو سوال پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ آیا مروجہ کاروباری سود اور قرآن مجید کا حرام کردہ سود (ربٰو) اپنی کیفیت و ماہیت اور روح کے اعتبار سے ایک ہی شے ہے یا دو مختلف چیزیں ہیں؟ دوم یہ کہ آیا مروجہ صنعت و تجارت کے منافع زمین و مکانات اور دیگر اشیاء کے کرایہ وغیرہ میں سود کا کوئی عنصر ہوتا ہے یا نہیں؛

سوال اول حل کرنے کے لیے پہلے ہم اس امر کی تحقیق کرتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ربٰو (سود) کا اطلاق کس طرز معاملہ پر ہوتا تھا۔ اس کی متعدد صورتیں روایات میں آئی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

زمانۂ جاہلیت کا سُود

۱- قتادہ کہتے ہیں جاہلیت کا ربٰو یہ تھا کہ ایک شخص ایک شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لیے ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا اگر وہ مدت گزر جاتی اور قیمت ادا نہ ہوتی تو پھر وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا۔

۲- ابوبکر جصاص کی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت جب ایک دوسرے سے قرض لیتے تو باہم یہ طے ہو جاتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل راس المال سے زیادہ ادا کی جائے گی۔

۳- امام رازی کی تحقیق میں اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک شخص کو ایک معین مدت

ہر فرد کو کارکردگی کا پورا پورا اجر ملے گا۔ اور ان کو کسی قسم کا ڈر اور غم نہیں ہوگا۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ جس نظامِ معاشیات میں سود نہیں لیا جائے گا اور زکوٰۃ دی جائے گی وہی اسلامی نظامِ معاشیات ہو سکتا ہے۔ اور برخلاف اس کے جس نظام میں سود لیا جائے گا اور زکوٰۃ نہیں دی جائے گی وہ غیر اسلامی نظام ہوگا۔

مروجہ نظام اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟

قرآن حکیم کے بتائے ہوئے قاعدۂ کلیہ کے تحت ہم مروجہ معاشی نظام کا مطالعہ اور تجزیہ کر کے دیکھتے ہیں۔ اگر یہ سودی ثابت ہو تو لازماً غیر اسلامی ہے اور اگر غیر سودی ہے تو اس کے اسلامی ہونے کا گمان ہو سکتا ہے۔

اسلامی دنیا میں دو گروہ ہیں جو مروجہ نظامِ معاشیات کے متعلق دو مختلف خیال رکھتے ہیں۔ اول اکثر ماہرین علم المعیشت۔ دوم اکثر علمائے اسلام۔ ماہرین علم المعیشت کے نزدیک مروجہ نظام سودی یعنی سرمایہ دارانہ ہے۔ کیونکہ اس میں ہر قسم کے سرمایہ پر خواہ وہ زمین کی شکل میں ہو یا مشین اور کارخانہ کی صورت میں۔ مکانات کی شکل میں ہو یا مال تجارت اور نقدی کی صورت میں سود لیا جاتا ہے۔ لیکن ان کا خیال ہے کہ یہ سود وہ نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے بلکہ یہ کاروباری اور تجارتی سود ہے جس کا نزولِ قرآن کے وقت وجود ہی نہ تھا۔ وہ سود غریب حاجت مندوں سے لیا جاتا تھا۔ اور یہ سود بنکوں، حکومتوں اور کمپنیوں سے لیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر تو بڑے بڑے کاموں کے لیے سرمایہ ہی فراہم نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواز کے لیے پروفیسر محمد الیاس برنی کے الفاظ میں) ان کی دلیل یہ ہے کہ "جو شخص کچھ روپیہ بچا کر کاروبار میں لگاتا ہے وہ فوری احتیاجات پر یہ روپیہ صرف کرنے سے باز رہنے کی خدمت انجام دیتا ہے۔ اور سود اسی خدمت اجتناب کا معاوضہ ہے۔ اس مسئلہ کی رو سے پیدائش اصل (سرمایہ) بہت کچھ اور شغل اصل سراسر سود پر منحصر ہے۔ اور چونکہ پیدائش دولت میں اصل (سرمایہ) اس قدر معاون ہے سود دینا لابد اور درست ہے۔" (علم المعیشت ص ۴۸۲)

علمائے اسلام کے نزدیک مروجہ نظام میں نقد روپے پر اضافہ جیسا کہ بنکنگ یا ساہوکارہ میں لیا جاتا ہے سود ہے اور حرام ہے۔ لیکن وہ صنعت و تجارت کے منافع، زمین، مکانات اور دیگر اشیاء کے کرایہ وغیرہ میں سود کا کوئی عنصر شمار نہیں کرتے اور ان کو جائز قرار دیتے ہیں۔

ہیں - اسی منافع میں سے وہ بنکوں سے قرض لیے ہوئے روپے کا سود ادا کرتے ہیں اور بنک آگے اپنے کھاتہ داروں اور امانت داروں کے روپے کا سود ادا کر دیتا ہے - کم شرح سود پہ روپیہ حاصل کر کے زیادہ شرح سود پر لگانے سے بنک کو جو منافع ہوتا ہے وہ بنک کے حصہ داروں میں تقسیم ہو جاتا ہے - اسی طرح سودی چکر چلتا رہتا ہے -

یہاں یہ بات بالکل واضح ہے کہ بنک سود کا جو روپیہ اپنے حصہ داروں اور کھاتہ داروں کو ادا کرتا ہے - وہ بنک میں پیدا نہیں ہوتا - بلکہ بنک وہ روپیہ دیگر مختلف اداروں سے وصول کرتا ہے جن کو وہ قرض دیتا ہے - اب یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اداروں کو وہ منافع کہاں سے حاصل ہوتا ہے - جس پر وہ خود بھی عیش اڑاتے ہیں اور بنک کو بھی سود ادا کرتے ہیں - اس کی حقیقت حسب ذیل ہے :

صنعتی، تجارتی یا زراعتی ادارے کچھ اپنا سرمایہ اور کچھ قرض لیا ہوا سرمایہ مختلف صنعتی، تجارتی یا زراعتی کاموں پر لگاتے ہیں یعنی وہ اس روپے سے زمین، مشین اور خام مواد مہیا کرتے ہیں مگر ان کا سرمایہ بذاتِ خود کچھ کام نہیں کر سکتا جب تک انسانی محنت کرنے کی طاقت اس پر نہ لگائی جائے یہ طاقت نادار محنت کار کے پاس ہوتی ہے - اور بازار میں دیگر اجناس کی طرح خریدی جا سکتی ہے - نادار کے پاس چونکہ خود کام کرنے اور روزی کمانے کا کوئی وسیلہ نہیں ہوتا لہذا وہ ان سرمایہ داروں کے پاس اپنی قوتِ محنت فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے - سرمایہ دار نادار محنت کار سے دو روپے کا کام لے کر ایک روپیہ بطور اجرت اس کو دیدیتا ہے اور ایک روپیہ خود رکھ لیتا ہے - اگر سرمایہ دار کے پاس ایک سو آدمی کام کرتے ہوں تو اس کو ایک سو روپے منافع ہو جاتا ہے - اس منافع میں سے وہ بنک کو سود ادا کرتا ہے - اور بنک آگے اپنے حصہ داروں کو منافع (سود) اور کھاتہ داروں کو سود ادا کرتا ہے - جدید بنکنگ کیا ہے - آب زر کا چشمہ جہاں سے منافع اور سود پیدا ہوتا ہے -

آپ نے دیکھ لیا کہ بنک کے مالکوں اور کھاتہ داروں کا سرمایہ اپنے گھروں سے نکل کر جب تک بتدریج نادار محنت کار کے ہاتھ تک نہیں پہنچتا تب تک اس میں کسی قسم کے سود یا منافع کا اضافہ نہیں ہوتا - لیکن جب یہ سرمایہ نادار محنت کار کے ہاتھ میں پہنچ کر واپس لوٹتا ہے تو اپنے ساتھ بڑھوتری لے جاتا ہے یہی بڑھوتری پہلے مرحلہ پر منافع اور دوسرے مرحلہ پر بنکوں میں پہنچ کر سود کے نام سے موسوم ہو جاتی ہے - اس صورتِ حال کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ زمانۂ جاہلیت کا سود حاجت مندوں سے لیا جاتا تھا اور آج کل کا سود بنکوں، کمپنیوں اور حکومت سے لیا جاتا ہے

کے لیے روپیہ دیتے اور اس سے ماہ بماہ ایک مقررہ رقم سود کے طور پر وصول کرتے رہتے جب وہ مدت ختم ہو جاتی تو مدیون سے راس المال کا مطالبہ کیا جاتا۔ اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو پھر ایک مزید مدت کے لیے مہلت دی جاتی اور سود میں اضافہ کر دیا جاتا۔

۴۔ مجاہد کہتے ہیں جاہلیت کا ربٰو یہ تھا کہ ایک شخص کسی سے قرض لیتا اور کہتا کہ اگر تو مجھے اتنی مہلت دے تو میں اتنا زیادہ دوں گا۔ (منقول از سود حصہ اول صفحہ ۵ ۳ مصنفہ مولانا مودودی صاحب)۔

زمانۂ حال کا سود

اب ذرا مندرجۂ بالا روایات کو سامنے رکھ کر زمانۂ حال کے سودی کاروبار پر نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے عام رواج کے مطابق کسی شے کی نقد قیمت ادا کرنے پر ڈسکاؤنٹ (DISCOUNT) دینا اور ادھار پر زیادہ قیمت (SURCHARGE) وصول کرنا بالکل قتادہ کی روایت کے مشابہ ہے۔ اور آج کل کا انفرادی ساہوکارہ یعنی سودی لین دین زمانۂ جاہلیت کے سودی کاروبار کی باقی تین مثالوں سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ مندرجہ بالا سودی لین دین کی مثالوں میں کوئی ایسا اشارہ تک بھی موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ زمانۂ جاہلیت کے قرض محض صرفی یا حاجت مندانہ قسم کے ہی ہوتے تھے اور کاروباری قسم کے ہرگز نہ ہوتے تھے پھر آج کل کے سود کو زمانہ جاہلیت کے سود سے مختلف فرض کر لینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ ہاں آج کل کے بنکنگ کے سودی کاروبار کی صورت بظاہر مختلف معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو جس طرح دوسری چیزوں میں ترقی ہوئی ہے بنکنگ بھی پرانے زمانے کے سودی لین دین کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ جس کی حقیقت یوں ہے کہ چند سرمایہ دار لوگ مل کر ایک ادارۂ ساہوکاری قائم کرتے ہیں جس کا نام بنک ہوتا ہے۔ اس ادارے میں دو طرح کا سرمایہ ہوتا ہے۔ ایک حصہ داروں کا سرمایہ جس سے کام کی ابتدا کی جاتی ہے۔ دوسرا امانت داروں یا کھاتہ داروں کا سرمایہ جو بنک کا کام اور نام بڑھنے کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ مقدار میں ملتا جاتا ہے۔ بنک کے مالک کھاتہ داروں اور امانت داروں کا روپیہ کم شرح سود پر لیتے ہیں اور اس طرح جمع شدہ سرمایہ کو زیادہ شرح سود پر مختلف قسم کے تجارتی، صنعتی یا زراعتی اداروں کو دیتے ہیں۔ یہ مختلف قسم کے ادارے بنکوں سے قرض لے کر آگے مختلف قسم کے کاموں پر لگا کر معقول نفع اٹھاتے

ہیں جو کروڑوں روپے کا زرِ سود پیدا کر کے دیتی جائیں۔ یہ مختلف قسم کے ادارے جو زرِ کثیر منافع کے نام پر نادار حاجتمند محنت کار سے وصول کرتے ہیں اسی میں سے آگے سود ادا کرتے ہیں۔

۶۔ پرانے زمانے میں تو سود خوار اور سود دہندہ کا تعلق براہِ راست تھا۔ اور ہر ایک آدمی کو معلوم ہو سکتا تھا کہ فلاں ساہوکار نے فلاں آدمی سے اتنا سود کھایا ہے۔ لیکن آج کل کے سودی نظام میں چونکہ سود خوار اور سود دہندہ کے درمیان کئی قسم کے بنک، حکومت اور کمپنیاں واسطہ بنی ہوئی ہیں اور سود خوار اور اصلی سود دہندہ کا براہِ راست کوئی تعلق نہیں رہا لہذا یہ بات بالکل معلوم نہیں ہو سکتی کہ کس سود خور نے کس نادار حاجت مند سے کتنا سود کھایا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت سطحی نگاہ سے بالکل اوجھل ہو گئی ہے اسی لیے اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آج کل کا سود تجارتی سود ہے اور جائز ہے کیونکہ یہ سود حکومت، بنکوں اور کمپنیوں یعنی دولت مندوں سے لیا جاتا ہے۔

۷۔ پرانے وقتوں میں منفرد سود خور منفرد سود دہندہ کا خون نچوڑ نچوڑ کر اس کو مفلسی اور ناداری میں گرفتار رکھتا تھا۔ واضح رہے کہ مروجہ سودی نظام میں بھی سود خوروں نے اجتماعی صورت اختیار کر کے مفلسوں اور ناداروں کے اجتماعی طبقات پیدا کر دیے ہیں۔

۸۔ ایامِ گزشتہ میں اکثر ساہوکار چونکہ صرف اپنے روپے سے ہی سودی کاروبار کرتے تھے لہذا وہ سود لیتے ہی تھے دیتے نہ تھے۔ لیکن آج کل کے سودی نظام میں اکثر سرمایہ دار اور بنکوں اور کمپنیوں کے مالک سود لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی ہیں۔ اگر ان کو کم سود وصول ہو اور زیادہ دینا پڑے تو لازماً جلد یا بدیر ان کا دیوالہ نکل جائے۔ ان کا قیام صرف اسی طرح ممکن ہے کہ وہ کم سود دیں اور زیادہ سود لیں۔ غور کا مقام ہے کہ یہ زیادہ سود جو وہ لیتے ہیں یہ ان کو کہاں سے حاصل ہوتا ہے جتنا جی چاہے سوچ لیجیے سوا اس کے کہ یہ سود نادار حاجت مند محنت کار کی گرہ سے نکلتا ہے اور تو کوئی اس کی پیدا آوری کی صورت ہی نہیں ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیشِ نظر صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی سود خوری جو کہ اس وقت منفرد، محدود اور غیر منظم تھی وہی آج کل ایک بہت وسیع اور باضابطہ نظام کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ ورنہ زمانۂ جاہلیت کے سود اور آج کل کے سود میں اپنی کیفیت و ماہیت اور روح کے اعتبار سے سرِ مو فرق نہیں ہے۔ لہذا اس بارے میں علمائے اسلام کا یہ کہنا کہ مروجہ نظام میں بنکنگ اور کاروباری سود حرام ہے بالکل صحیح اور معقول معلوم ہوتا ہے اور ماہرینِ معاشیات کے اس

کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔ واضح رہے کہ آج کل کے بنکنگ سسٹم میں تجارتی سود بھی دراصل حاجتمندوں اور ناداروں سے ہی وصول کیا جاتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ حال کے سُود کا مقابلہ

اب زمانۂ جاہلیت کے سود کا آج کل کے سود سے مقابلہ کر کے دیکھیے کہ آیا یہ دونوں اپنی کیفیت وماہیت اور روح کے اعتبار سے ایک ہی شے ہے یا دو مختلف چیزیں ہیں:

۱۔ زمانۂ جاہلیت میں تو ساہوکار نادار کو اپنا روپیہ قرض دیتا تھا اور اس پر سود لے لیتا تھا لیکن آج کل کے سودی کاروبار کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نادار کو رقم قرض بھی نہیں دی جاتی بسود خوار کا سرمایہ بھی ایک خاص تنظیم کے ماتحت اس کی اپنی تحویل میں ہی رہتا ہے لیکن نادار سے اس کا سود وصول کر لیا جاتا ہے۔

۲۔ زمانۂ جاہلیت میں تو ایک ساہوکار ہی براہِ راست سود کھاتا تھا لیکن آج کل کے سودی نظام میں پہلے کاروباری کمپنی کے سود خور منافع کے نام پر سود کھاتے ہیں پھر مالکان بنک حصہ (DIVIDEND) کے نام پر سود کھاتے ہیں اور پھر کھاتہ دار (DEPOSITOR) سود کھاتے ہیں (مذہبی گرفت سے برائے نام نجات حاصل کرنے کے لیے اب اس کا نام بھی منافع رکھا جارہا ہے)۔ گویا پرانے وقتوں میں اگر نادار کا خون ایک جونک چوستی تھی تو آج کل غریب کو تین جونکیں چمٹی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں ناداروں کا ایک مستقل طبقہ پیدا ہو گیا ہے۔

۳۔ زمانۂ جاہلیت کا ساہوکار بھی اپنے فائدے کے لیے سود پر روپیہ قرض دیتا تھا اور بلا محنت ومشقت نادار کی کمائی میں شریک ہو جاتا تھا۔ یعنی وہ کم دیتا تھا اور زیادہ لیتا تھا۔ آج کل بینکر بھی بالکل ایسا ہی کرتا ہے۔ اگر وہ سود ظلم تھا تو یہ سود کونسی سخاوت ہے۔

۴۔ زمانۂ جاہلیت کا ساہوکار منفرد، غیر منظم اور کم طاقت تھا اور صرف اپنے روپے سے ہی کاروبار کرتا تھا۔ لیکن آج کل کا ساہوکار متحد، منظم اور طاقت کے لحاظ سے دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ اور یہ اپنے بنک کی مقناطیسی قوت سے گھر گھر سے روپیہ کھینچ کر اس کا سود ہضم کر جاتا ہے۔

۵۔ زمانۂ جاہلیت کے سود کی مانند آج کل کے سودی نظام میں بھی سود دراصل نادار حاجتمندوں کے سر سے ہی نکالا جاتا ہے۔ بنک، حکومت اور کمپنیاں تو سود خوار اور سود دہندہ کے درمیان مختلف قسم کی تنظیمیں اور رواسطہ ہیں۔ ان کے کیش بکسوں اور تجوریوں میں تو ایسی کوئی مشینیں لگی ہوئی نہیں

دوسرے یہ دلیل کہ سرمایہ پیدائش دولت میں معاون و مددگار رہتا ہے لہٰذا سود درست ہے
[کو]ئی معقول بات معلوم نہیں ہوتی کیونکہ سرمائے میں جو قوت پیدا آوری یا معاونت کی طاقت
[مع]لوم ہوتی ہے وہ دراصل کوئی فاعلانہ طاقت نہیں بلکہ بالکل قدرت کے عطا کردہ مواد کی
[ط]اقت کے مانند ہی ہے۔ جس طرح اس میں قدر مفعولیت ہے اسی طرح انسان کے پیدا کردہ
[س]رمائے میں بھی صرف قدر مفعولیت ہی ہوتی ہے۔ اور سرمایہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا
[کہ] پہلے کسی آدمی کی قوت محنت کسی چیز میں پیوست ہو چکی ہوتی ہے۔۔۔۔ اگر آپ اس
[س]رمائے یعنی اوزار، مشین یا خام مواد کو جوں کا توں رکھ دیں تو وہ ایک پائی بھی مزید دولت پیدا
[نہ]یں کر سکے گا بلکہ خود گل سڑ کر ختم ہو جائے گا۔ یہ شرف صرف انسانی قوت محنت کو ہی حاصل
[ہ]ے کہ وہ اشیا میں قدر پیدا کرتی ہے۔ اور مزید مختلف اشیا بنانے کے لیے سابقہ بنی ہوئی یا قدرتی
[چ]یزوں میں جو قدر ہوتی ہے اس کو نئی چیزوں میں منتقل کرتی ہے۔ مثلاً درزی کوٹ سیتا ہے تو کپڑے
[می]ں ایک نئی قدر پیدا کرتا ہے اور کپڑے اور سینے کی مشین میں جو قدر موجود ہوتی ہے اس کو کوٹ
[میں] منتقل کرتا ہے۔

زبردستی کی بات تو جدا ہے لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو زمین یا سرمائے
[ک]ے معاوضہ کا مطلب یہ کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی انسان کے ہم پلہ اور مساوی
[کو]ئی ہستی ہے جو کہ انسان سے اپنی محنت کا معاوضہ طلب کرتا ہے۔ زمین اور سرمائے کو انسان کے
[برا]بر رتبہ دینا انسانیت کو کس قدر ذلیل و رسوا کرنے والی بات ہے۔ زمین اور سرمایہ انسان کے
[خاد]م ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا (البقرہ آیت ۲۰) یعنی اے
لوگو جو دنیا میں بستے ہو خدا نے دنیا کی ہر چیز تم سب کے فائدہ کے لیے پیدا کی ہے)۔ نہ کہ مخدوم یا
[ہم] رتبہ جیسا کہ اس سودی نظام میں تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں قدر و منزلت سرمائے کی ہوتی ہے نہ
انسان کی۔

از روئے انصاف تو سرمائے کا معاوضہ وہی ہو سکتا ہے جو اس کی مرمت یا گھسائی وغیرہ کا
[خر]چ آئے نہ کہ لامتناہی انسانی محنت کا ثمرہ جو کہ اس کی اپنی قدر سے بھی کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ ایسے
[معا]وضہ کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے ہاتھ سرمایہ لگ جائے وہ دوسروں کی کمائی میں
[مح]نت و مشقت شریک ہو جائیں۔ اور ان کو دبانے اور ماتحت رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔

قول میں کوئی حقیقت دکھائی نہیں دیتی کہ زمانۂ جاہلیت کا سود کچھ اور چیز تھا اور آج کل کا سود کوئی اور شے ہے۔

سود کے جواز میں معاشیین کے دلائل

جب یہ ثابت ہو گیا کہ آج کل کا سود بھی درحقیقت وہی چیز ہے جو زمانۂ جاہلیت کا سود تھا جس کو قرآن کریم نے حرام کیا تھا۔ تو لازماً اس کو کسی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا معاشیین کی یہ دلیل کہ سود فوری احتیاجات سے روپیہ بچا کر جمع کرنے کی خدمت کا معاوضہ ہے یا یہ کہ روپیہ (اصل) پیدائش دولت میں مددگار رہے اس لیے سود لینا درست ہے ازروئے اسلام خود ہی باطل اور خارج از بحث ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس دلیل کو آج کل کے سود کے جواز کے لیے صحیح تسلیم کیا جائے تو لازماً زمانۂ جاہلیت کے سود کے جواز کے لیے بھی درست تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اگر آج کل کا سود خور فوری احتیاج سے روپیہ بچانے کی خدمت سر انجام دیتا ہے تو زمانۂ جاہلیت کا سود خور بھی یہی خدمت بجا لاتا تھا۔ اور اگر آج کل سرمایہ پیدائش دولت میں معاون و مددگار ہونے کی خاصیت رکھتا ہے تو زمانۂ جاہلیت کے سرمایہ میں بھی یہ خاصیت موجود تھی۔ اس لحاظ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے سود اور آج کل کے سود میں سرِ مو فرق نہیں ہے۔ اگر وہ حرام تھا تو یہ کس طرح حلال ہو سکتا ہے؟

یوں تو زبردست کی ہر بات میں دلیل کا وزن اور قانون کی طاقت ہوتی ہے لہٰذا اس کے لیے ہر صورت سود لینا جائز ہو سکتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو سود کے جواز کے لیے مندرجہ بالا دلیل میں بوجوہاتِ ذیل کوئی صداقت دکھائی نہیں دیتی:

اول تو سرمایہ جو آج ہمارے سامنے موجود ہے وہ کسی ایک فرد کی کمائی میں سے پس اندازی کا نتیجہ نہیں بلکہ مدتِ مدید سے کروڑوں غلاموں، ناداروں، مزارعین اور کئی دیگر لوگوں کا خون پسینہ بہا کر دولت پیدا کرنے کا نتیجہ ہے۔ دوسرے آج بھی ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو سرمایہ جمع ہو رہا ہے اس میں قوم کے دیگر افراد کے علاوہ محنت کش، نادار عوام کی کمائی کا بیشتر حصہ موجود ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ سرمایہ کس قدر سرعت سے ایک دوسرے کے ہاتھ مختلف جائز اور ناجائز طریقوں سے منتقل ہو رہا ہے۔ ان اسباب کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ سود فوری احتیاجات سے روپیہ بچا کر جمع کرنے کی خدمت کا معاوضہ ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے!

مثالوں کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ آج کل کی ضروریات کے مطابق بڑی بڑی اسکیموں کے غیر سودی سرمایہ کا وصول ہونا ناممکن ہے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر دولت مند طبقہ خود سود کھانے کھلانے کا داعی ہو اور سود خواری نظام کو قائم اور دائم رکھنے کے لیے کوشاں رہے سودی سرمایہ کے حصول کو ممکن یا ناممکن کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دراصل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاشیین نے جب مروجہ نظامِ معاشیات کا مطالعہ کیا اور دیکھا س میں سرمائے کا معاوضہ یعنی سود لینے کا رواج ہے تو اس سودی لین دین کو جائز ثابت کرنے لیے جو وجوہات ان کے ذہن میں آئے انہوں نے وہ تحریر کر کے ان کو درست قرار دیدیا۔ معاشیین دورِ غلامی میں پیدا ہوئے اور اس نظام میں غلاموں کی خرید و فروخت کا رواج دیکھتے یہ بھی ملاحظہ کرتے کہ غلاموں کی محنت کی کمائی کا قانونی حقدار ان کا آقا ہوتا ہے۔ تو اس وجوہات بھی لازماً اخذ کر کے ان کو صحیح قرار دیدیتے۔ کیونکہ علم المعیشت کا اصل کام مروجہ م معاشیات کی تفصیل اور اس کے قوانین کا مکمل نقشہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ نظامِ معاشیات بالکل صحیح ہے اور انصاف کے مطابق چل رہا ہے۔ جیسا ن معاشیین خیال کر کے اس کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔ اب اگر حسب منشائے اسلام ایسا م معاشیات قائم ہو جائے جس میں زمین اور سرمائے کا معاوضہ یعنی سود وغیرہ ختم کر دیا جائے اور می کو اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ ملے تو معاشیین محنت کے معاوضہ کا ہی ذکر اور وجوہات کریں گے۔ اور جس طرح وہ آج غلامی کے جواز کے دلائل فراموش کر چکے ہیں سود کے جواز کے بھی بھول جائیں گے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا صنعت و تجارت کے منافع زمین، مکانات اور دیگر اشیاء کرایہ اور بٹائی وغیرہ میں سود کا کوئی عنصر ہوتا ہے یا نہیں۔ معمولی غور و فکر سے اس کی حقیقت ہو جائے گی۔

سرمایہ میں سود

مختلف شعبوں کے کاروبار ملکیتِ سرمایہ کے لحاظ سے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو محض رمایہ سے چلائے جاتے ہیں اور ان میں مستعار سرمایہ نہیں ہوتا اور دوسرے وہ جن میں اپنے سرمایہ ادہ قرض لیا ہوا سرمایہ بھی ہوتا ہے جس کا سود بنکوں کو ادا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے

تاکہ ان سے سود حاصل کرسکیں۔ اس کا نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ ایک تو پیداوار پر اثر پڑے گا یعنی سود خور لوگ محنت سے دولت پیدا نہ کرنے کی وجہ سے پیداوار میں کمی ہوگی اور دوسرے جن آدمیوں کی محنت سے وہ سود حاصل کریں گے ان پر مزید بوجھ پڑے گا اور اس طرح ان پر ظلم ہوگا۔ اور ظلم ہمیشہ باعث فساد ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے اور فرمایا ہے یمحق اللہ الربٰو یعنی اللہ سود کو بے برکت کرتا ہے۔ اور لا تظلمون ولا تظلمون یعنی سودی لین دین ایک دوسرے پر ظلم ہے۔

اب اگر برائے نام مذہبی گرفت سے بچنے کے لیے یہ خیال کرلیا جائے کہ جس سود کو قرآن نے حرام قرار دیا تھا وہ کوئی اور شے تھا اور آج کل کا کاروباری سود کوئی اور چیز ہے۔ اور مروجہ سودی نظامِ معاشیات کو پہلے صحیح فرض کرکے اس کے حق میں دلائل دیے جائیں تو اس سے کیا فائدہ۔ مذہب کا مقصد اور منشا تو اس خیال سے پورا نہیں ہوسکتا۔ پھر علاوہ ازیں سود تو پہلے ہی قانوناً رائج ہے لہٰذا اس کو مذہبی سند کی ضرورت نہیں۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ غیر مسلم دنیا کی طرح مذہب کو بالائے طاق رکھ کر دنیاداری کے طریق پر بدستور سودی لین دین کیا جائے۔

رہا یہ سوال کہ سودی لین دین کے بغیر سرمایہ کی فراہمی بالکل ناممکن ہے۔ تو اس میں شک نہیں کہ دریں حالات جب کہ سودی نظام عالم شباب میں مست ہر خاص و عام کو دسترخوانِ سود خواری پر بلاتکلف تناول فرمانے کی دعوت دے رہا ہو تو غیر سودی سرمایہ کی فراہمی اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ مگر مشکلے نیست کہ آساں نشود۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک وقت تھا جب پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا ناممکن دکھائی دیتا تھا لیکن قوم کی متحدہ خواہش اور جدوجہد سے آخر پاکستان بن ہی گیا۔ اسی طرح اگر قوم اور خصوصیت سے سود خوار طبقہ تہیہ کرے کہ ہم سود کی لعنت سے ضرور نجات حاصل کرکے رہیں گے تو غیر سودی سرمایہ کی فراہمی کوئی مشکل بات نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ انگریزوں نے پچھلی جنگ عظیم کے دوران میں معمولی کوشش سے کروڑوں روپے قرض نہیں بلکہ بطور چندہ اور عطیہ فراہم کرلیے تھے۔ ہندوستانی لیڈر ونوبا بھاوے کی مثال آپ کے سامنے موجود ہے جس نے لاکھوں ایکڑ اراضی بطور بھومی دان بڑے بڑے زمینداروں سے لے کر کاشتکاروں میں تقسیم کی ہے۔ پھر کروڑوں روپے کے اوقاف آپ کے سامنے ہیں۔ علاوہ حکومت قومی فلاح و بہبود کی بڑی بڑی اسکیموں کے لیے جس قدر مناسب سمجھے ٹیکس بھی لگاسکتی

کا معاوضہ دوکان یا کارخانہ کا کرایہ۔ بجلی پنکھے کے بل۔ مشینوں وغیرہ کی گھسائی۔ ٹیکس۔ سرمایہ محفوظ اور اپنی مقرر کردہ تنخواہیں سب کچھ نکال کر اپنے سرمایہ پر ۱۰ فی صدی اضافہ ہوتا ہے۔ یہ دس فی صدی اضافہ کیا ہے جتنا جی چاہے سوچ لیجیے اور غور کر لیجیے۔ سوائے اس کے کہ اس اضافہ کو سرمائے کا معاوضہ یعنی سود شمار کیا جائے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا نام نفع رکھ لیجیے یا مائدۃ من السمار کہہ کر پکاریے اس کی فطری خاصیت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہو سکتا۔

زراعت میں سود

زمینداری میں بٹائی کی حقیقت پر غور کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اور سود میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کی حقیقت اور ماہیت بالکل یکساں ہے۔ آیئے ذرا دونوں کا تفصیل سے مقابلہ کر کے دیکھیں۔ فرض کیجیے کہ ایک آدمی دس ہزار روپے میں ایک قطعہ زمین خرید کر بغرضِ کاشت مزارع کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور پیداوار کا ۴۰ فی صدی مزارع سے وصول کرنا طے کر لیتا ہے۔ اسی شرح سے مزارع سے نقد یا جنس کی صورت میں بٹائی وصول کرتا رہتا ہے۔ دوسرا شخص دس ہزار روپے نقد قرض دیتا ہے۔ اور قرضدار کے ساتھ شرح سود طے کر لیتا ہے۔ اور اسی شرح کے مطابق قرضدار سے سود کی رقم وصول کرتا رہتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ زمیندار کا اصل زر زمین کی صورت میں ہے اور ساہوکار کا اصل زر نقدی کی شکل میں۔ زمیندار کو اصل زر کا فائدہ بٹائی کی صورت میں ملتا ہے اور ساہوکار کو اصل زر کا نفع سود کی شکل میں۔ غور کا مقام ہے کہ بٹائی اور سود کی کیفیت و ماہیت میں سرِ مو فرق نہیں سوائے اس کے کہ سود براہِ راست اصل زر پر نفع ہے اور بٹائی بالواسطہ اصل زر پر نفع ہے۔ زمیندار کا سود ایک گونہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ ساہوکار کو اصل زر کے نقصان کا خطرہ ہو سکتا ہے لیکن زمیندار کا اصل زر جو کہ زمین کی شکل میں ہے خطرہ سے بالکل بالاتر ہے۔ اگر قرض دار کسی وجہ سے نادہند ہو جائے تو ساہوکار کا سود تو درکنار اصل زر بھی بعض اوقات ڈوب جاتا ہے۔ لیکن زمیندار کو بٹائی کم ملے یا زیادہ ملے گی ضرور۔ اس کو ہر صورت فائدہ ہی فائدہ ہے۔ نقصان کا ہرگز اندیشہ نہیں۔ بہر صورت بٹائی اور سود مزارع اور قرض دار کی محنت کا ثمرہ ہیں جو کہ بٹائی خوار اور سود خوار یعنی مفت خوروں کے ہاتھ آ جاتا ہے۔ اس امر کی تصدیق یوں بھی ہو سکتی ہے کہ اگر مزارع کو اپنی زمین مل جائے تو وہ کبھی زمیندار کی زمین پر مزارعت پسند نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنی زمین

جب کہ بنکوں کا سود اس منافع کا حصہ ہوتا ہے جو مختلف کاروباری ادارے کماتے ہیں تو لازماً ماننا پڑے گا کہ نجی سرمائے والے کاروبار کے منافع میں بھی سود کا عنصر شامل ہوتا ہے لیکن چونکہ سرمایہ محض اپنا ہی ہوتا ہے اور اس کا سود کسی کو ادا نہیں کرنا پڑتا لہذا سود کا عنصر ظاہر نہیں ہوتا اور نجی سرمایہ دار کے حصہ میں ہی آجاتا ہے۔

صنعت و تجارت میں سود

اگر صنعت و تجارت سے حاصل شدہ نفع کو بغور دیکھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ نفع صرف محنت کا معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں سرمایہ کا معاوضہ یعنی سود کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ مثلاً فرض کیجیے ایک جولاہا ۱۰ روپے کا سوت خرید کر اس سے دن بھر میں ۱۶ گز کپڑا بُنتا ہے اور ۱۳ روپے میں بزاز کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے یعنی ۳ روپے اس کو دن بھر کی محنت کے مل جاتے ہیں بزاز وہی ۱۶ گز کپڑا ۱۵ روپے میں بیچ کر فوراً دو روپے نفع کما لیتا ہے۔ اب بزاز کی محنت جولاہے کی محنت کی بہ نسبت بہت ہی کم ہے۔ لیکن اس کی کمائی جولاہے کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے اور اس میں ہنرمندی بھی کوئی نہیں۔ بزاز کو اگر ایسی محنت کا موقع ملتا رہے تو دن بھر میں ڈیڑھ دو سو روپے کما لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت دو روپے اس کی محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس میں بیشتر حصہ اس کے سرمائے کے معاوضہ یعنی سود کا ہے۔

ایک اور مثال اس حقیقت کو بالکل واضح کر دے گی۔ فرض کیجیے ایک آدمی دس ہزار روپے کے سرمایہ سے تجارت کرتا ہے اور ۱۵۰ روپے ماہوار کما لیتا ہے۔ اب وہ ۷۵ روپے ماہوار پر ایک تجربہ کار منشی نوکر رکھ کر کام اس کے حوالے کر دیتا ہے اور آپ فارغ ہو جاتا ہے۔ منشی مالک ہی کی طرح محنت سے کام سرانجام دیتا ہے۔ اور تجارت مذکورہ سے بدستور سابق ۱۵۰ روپے ماہوار فائدہ ہو جاتا ہے۔ ۷۵ روپے منشی کی تنخواہ نکال کر مالک کو ۷۵ روپے فائدہ ہوتا ہے حالانکہ مالک نے کوئی محنت نہیں کی۔ لہذا منافع کی رقم کو سرمایہ کا معاوضہ یعنی سود ہی تصور کرنا پڑے گا۔

ایک اور مثال لیجیے۔ فرض کیجیے ایک آدمی یا چند آدمی مل کر معقول سرمایہ سے کوئی صنعتی یا تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ وہ اپنی تنخواہیں جو ان کو کسی دوسری جگہ سے مل سکتی ہوں مقرر کر لیتے ہیں۔ فرض کیجیے سال کے بعد ان کو کاروبار کے تمام اخراجات مثلاً مزدوروں کی اجرتیں۔ کاریگروں کی کارکردگی